# الطاف فاطمہ کے افسانوں میں منفی کردار... خصوصی مطالعہ

مریم یاسین
عظمت رباب

**Abstract:**

A variety of negative characters created by short story writers happen to be female characters. We see different facts of these negative female characters in different political, psychological, social and moral aspects. The most prominent writers who presented these characters includes Bano Qudsia, Hajira Masroor, Razia Fasih Ahmad, Farkhanda Lodhi, Nilofer Iqbal, Salman Awan, Raees Fatima, Fehmida Riaz, Farhat Perveen, Altaf Fatima, Mumtaz Shireen, Khadija Masroor, Atiya Sayyed, Firdous Haider and Perveen Atif. This research paper analysis the moral, religious and psychological dilemmas of the lives of these characters in Altaf Fatimas's short stories.

کسی بھی مہذب معاشرے میں عورت کا کردار اساسی ہوتا ہے۔ عورت تخلیق کی اور مرد تنظیم کی علامت ہے۔ عصر حاضر میں عورت کو خوش کرنے کے لئے محض یہ کہہ دینا کافی نہیں کہ "وجودِ زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ"۔ آج کی عورت اس مردانہ معاشرے میں اپنے سیاسی و سماجی، معاشی، مذہبی اور ثقافتی حقوق کی شدت سے طلب گار ہے۔

اردو افسانہ بیسویں صدی کی پیداوار ہے۔ اردو ادب مجرد اور دیومالائی دنیا سے نکل کر حقیقت آفرین دنیا میں داخل ہوا۔ نئی تحریکات اور نئے تقاضے پیدا ہوئے۔ رنگین عبارتوں اور بوجھل پر تکلف تحریروں کو ترک کرنا پڑا۔ دنیا داستان اور ناول سے نکل کر افسانے کی طرف بڑھی۔

الطاف فاطمہ بیسویں صدی کی اہم افسانہ نگار کے طور پر ہمارے سامنے آتی ہیں۔ آپ ۱۰ جون ۱۹۲۷ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئیں۔ الطاف فاطمہ نے ابتدائی تعلیم ہندوستان میں حاصل کی۔ قیام پاکستان کے بعد لاہور آ گئیں۔ ایف۔ اے اور بی۔ اے کے امتحانات پرائیویٹ امیدوار کی حیثیت سے پاس کیے

اورینٹل کالج سے ایم اے اردو کیا اور بطور لیکچرار عملی زندگی کا آغاز کیا۔ آپ کے افسانوی مجموعوں میں ''وہ جسے چاہا''، ''جب دیواریں گریہ کرتی ہیں'' اور تارِ عنکبوت شامل ہیں۔

الطاف فاطمہ کے افسانوں میں اخلاقی و روحانی نظام کا زوال، بدلتی اقدار اور جدید تہذیب کے پیدا شدہ مسائل نظر آتے ہیں۔ الطاف فاطمہ بیانیہ روایت کے قبیل سے تعلق رکھنے والی افسانہ نگار کے طور پر سامنے آتی ہیں۔ ان کے افسانوں میں روزمرہ کی زندگی کے خاص و عام مسائل کی پیشکش کی گئی ہے۔ اخلاقیات کا زوال۔ روحانی نظام کا انحطاط، اقدار کا بدلائو، جدید تہذیب اور حیات نو کی باریکیاں بالعموم ان کے موضوع ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ افسانوں کی فضا پر حاوی مقصدیت، رمز و اشاریت اور لفظوں کی کفایت کے اہتمام سے خالی ہے۔ وہ سماجی حقیقتوں کو جوں کا توں پیش نہیں کرتیں بلکہ ان کے فلسفیانہ نظریات، تجزیاتی انداز فکر، مشاہدات و تجربات افسانے کی وساطت سے نمایاں ہو کر سامنے آتے ہیں۔

سید وقار عظیم الطاف فاطمہ کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''ان کا مزاج مشرقی ہے اور ان کے سوچنے کا انداز بنیادی طور پر اخلاقی اور دینی اور اس لئے انہوں نے اپنے افسانوں کو محبت، وفا شعاری، ایثار قربانی، دردمندی و دل سوزی کی بات کہنے اور نیکی کی قدروں کی تلقین کا بہانہ بنایا ہے لیکن نیکی کی تلقین کا کام انہوں نے جس طرح ہنس ہنس کر مسکرا مسکرا کر، ہلکے ہلکے لفظوں، گھریلو فضا کے محاوروں اور سیدھے سادھے اشاروں، کنایوں اور استعاروں کی مدد سے انجام دیا ہے اس نے تلقین اور تبلیغ کو ایک حسین اور دل نشین فن بنا دیا ہے۔'' (۱)

الطاف فاطمہ ے ہاں ماضی کی بازیافت کا عمل خاص اہمیت رکھتا ہے یہ بازیافت دو سطحوں پر نظر آ گئی ہے۔ اس کی ایک سطح ماضی کی خوبصورت اقدار محبتوں، رفاقتوں اور رشتوں کے کھو جانے کے المیے اور ان کے لوٹ آنے کی شدید تر خواہش پر مبنی ہے۔ انہیں اپنی تہذیب کا شیرازہ بکھرنے کا ملال ہے۔ مادیت پرستی، صنعتی ترقی، سائنسی انقلاب، پر تصنع اور بناوٹی زندگی، روایات سے بے زاری اور وقت کی گردش نے انسانی رابطوں میں انقطاع کی جو صورت پیدا کی ہے وہ ان کے افسانوں میں جابجا نظر آتی ہے۔ ان کے افسانے ''ننگی مرغیاں'' سے اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''اے لوگو سنو! جب تم بے لباسوں کو لبادے اوڑھنے پر آمادہ نہ کر سکو تو اپنی نگاہیں نیچی کر لو۔ لحاف کی گرمی اور نرمی تلے لرزے ہوئے سنی ہوئی یہ صدا اس

وقت یہاں صاف سنائی دے رہی ہے۔ سامنے والی لڑکی کے تن سے دھیرے دھیرے وہ لباس والی لڑکی کے تن سے دھیرے دھیرے وہ لباس سرک رہا ہے جس پر وہ سرشار تھی۔ ننگی اور لمبی گردنوں والی برہنہ لاشیں ہی لاشیں۔" (۲)

ان کے ایک اور افسانے "مشتِ غبار" سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"محلہ ملی جلی حقیقتوں کے امتزاج سے بنتا تھا۔اب محلے کا لفظ آج کی لغت سے خارج ہوا۔ اب نمبروں اور بلاکوں کا رواج ہے۔ پہلے محلے کے گلی کوچوں کے نام ہوتے تھے۔ گلی مرزا دبیر کوچہ اعظم بیگ، چھتہ لال میاں، ان گلیوں، چھتوں اور کوچوں میں بنے ہوئے اونچے نیچے مکان، دیوار بیچ نکالی ہوئی کھڑکیوں کے ذریعے منسلک رہتے تھے۔ احتیاج کی ایک صدا، دکھ کی ایک کراہ اور کبھی کبھی گہری خاموشی بھی پورے محلے کو باخبر اور یکجا کر دیتی ہے۔" (۳)

الطاف فاطمہ کے افسانوں میں فطرت سے محبت کا عکس اور ماضی پرستی ان کی رومان پسند طبیعت کی غمازی کرتا ہے۔ڈاکٹر محمد عالم خان "اردو افسانے میں رومانوی رجحانات" میں لکھتے ہیں:

"الطاف فاطمہ کے افسانوں میں منظر نگاری انہیں رومانوی افسانہ نگاری کے قریب لے آتی ہے۔ اس طرح ماضی کی یادوں سے وابستگی اور حال سے بے زاری کا رویہ بھی ان کے رومانی رجحانات کی عکاسی کرتا ہے۔ ان کے افسانوں میں رنج و غم، دکھ اور تنہائی کی کیفیت اور وقت کی ناقدری کا المیہ بھی ان کی رومانی فکر کو نمایاں کرتا ہے۔" (۴)

الطاف فاطمہ کے ہاں کراچی کی صورت حال، کشمیریوں اور فلسطینیوں کا آشوب تکلیف دہ ہے۔ ان کے افسانے خیال بیابانِ نورد، تصویر، خستہ خانم، بازگشت، ٹڈی چٹا سویٹر اور سہارا ان کے عصری اور سماجی شعور کی دلیل ہے۔ ان کے افسانے کنڈیکٹر میں سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو: "یہ ہمارا پاکستان جو ہے نا ایک بڑی سی بس ہی تو ہے۔ ہم سب جو کچھ بھی کریں اس کے کنڈیکٹر ہی تو اس میں یہی خیال رکھتا ہے کہ گاڑی چلتی رہے۔" (۵)

الطاف فاطمہ کے ہاں کردار نگاری میں تنوع ہے۔ بالائی اور نچلے طبقے کے کرداروں کے علاوہ ان کے ہاں اینگلو انڈین اور ایسے ملازمین کے کردار نظر آتے ہیں جو انگریزوں کے وقت کو یاد کرتے ہیں۔ ان کے ہاں مکالمے، واحد متکلم اور فلیش بیک کی تکنیک بھی نظر آتی ہے۔ ڈاکٹر انوار احمد رائے پیش کرتے ہوئے کرتے ہیں۔ ''ان کے بیش تر افسانوں میں ایسی خود کلامی ہے جو ان تخلیقات کو انشائے لطیف بنا دیتی ہے۔'' (۶)

فسادات اور ہجرت کے مسائل بھی الطاف فاطمہ کے اہم موضوعات میں شامل ہیں۔ فسادات اور ہجرت کے بعد انفرادی اور قومی زندگی ہر لحاظ سے متاثر ہوتی ہے۔ ان کے افسانے ''کہیں یہ پُروائی تو نہیں'' میں ایک نسوانی کردار دکھایا گیا ہے جو بیتے ماضی کو یاد کرتے ہوئے کہتا ہے:

> ''تم چپکے سے کھیلتے ہو۔ تم گوس روٹی کھاتے ہو۔ ہم دال روٹی کھاتے ہیں اور جب اندر باہر کوئی بھی تم سے پوچھتا ہے کہ بھئی تم ہندو ہو یا مسلمان تو تم بہت اطمینان سے جواب دیتے ہو کہ ہم تو بیگم صاحب کی ذات برادری ہیں۔ میں تو بیگم صاحب کا بیٹا ہوں اور تم بڑی اونچی ذات کے باہمن تھے... اور بس پھر یہ ہوا کہ ایسا معلوم ہوا کہ زمین اپنے بوجھ سے گھبرا گئی۔ اس کو جانے پہچانے چہرے اور آوازیں بری لگنے لگی ہیں۔ جیسے کسی نے اناج کے دانوں کو سوپ میں رکھ کر پھینک دیا... تو بھئی قصہ یہ ہے کہ ہم یہاں آ گئے تم وہاں ہو گے۔'' (۷)

ازدواجی زندگی کے مختلف پہلو بھی الطاف فاطمہ کے افسانوں میں نظر آتے ہیں۔ ماں اپنے بچوں کی اچھی تعلیم و تربیت، صحت کے معاملات کو دیکھتی ہے اور اپنی ذات کو خانگی معاملات میں یکسر بھلا دیتی ہے۔ ہر عورت اپنی شخصیت کو خانوں میں بانٹ کر گھر کو جنت بناتی ہے۔ اس کی جھلکیاں ہمیں ان کے افسانے ''پرانا حریف'' میں جابجا نظر آتی ہیں۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''ان کی بھاری جسم والی بیوی مسہری پر بیٹھی ٹیپو کا نیپکن بدل رہی تھی۔ ٹیپو تو اب تمہارا نواسہ لگتا ہے نا۔ رانا سعید نے ٹائی اتار کر مسہری کے ہتھے پر ڈال دی اور آپ کا تو جیسے بھائی لگتا ہے۔ انہوں نے نیپکن کے تینوں سرے ملا کر پن لگا دی۔ خیر بھائی نہ سہی اولاد تو لگتا ہے۔ ان کی ہنسی میں طنز تھا۔'' (۸)

پاکستانی معاشرے میں مفاد پرست بہت سارے بے بنیاد اور فروعی اختلافات کو ہوا دے کر فائدے حاصل کر رہے ہیں۔ اس کی ایک مثال عید الفطر کے موقع پر نظر آتی ہے۔ جب عید منانے کے حوالے سے اختلافات سامنے آتے ہیں۔ قبائلی علاقہ جات اور خیبر پختونخواہ میں الگ عید منائی جاتی ہے۔ دیگر صوبوں میں عید کا جشن دوسرے روز نظر آتا ہے۔ اس حساس اور اہم موضوع پر الطاف فاطمہ نے اپنا قلم اٹھایا ہے اور افسانے ''گواہی'' میں لکھتی ہیں:

> ''آج عید نہیں ہے۔ ایک گروہ نے سَر سے کہا اور نفی میں گردنیں ہلائیں۔ آج عید ہے۔ دوسرے گروہ نے اسی انداز میں دعویٰ کیا اور ان کی ہلتی ہوئی گردنوں کا پوز اثباتی تھا۔
>
> آج عید ہے... آج عید ہے۔ اثباتی گردنیں اُچھل اُچھل کر کہہ رہی تھیں۔ جی تو کیا آپ کا خیال ہے کہ شہر شہر کا اپنا چاند نکلوایا جائے؟...... پھر یوں ہوا کہ گھرانہ دو فرقوں میں بٹ گیا۔
>
> روزہ ترک کرنے کے باوجود نمازی بٹ چکے تھے...... جنرل صاحب کے گیٹ سے اس طرف متعدد لوگ اس حال میں کھڑے تھے کہ اوپر سے قمیض بدل چکے ہیں اور ٹانگوں میں پاجامہ میلا ہے۔ کسی کا دھڑ رمضان منارہا ہے تو ٹانگیں عید۔'' (۹)

الطاف فاطمہ کے افسانوں میں شہر کراچی کی صورتحال کو بڑے عمدہ طریقے سے پیش کیا گیا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ اس شہر کی فضائوں اور ہوائوں میں وحشت اور خوف کے سائے منڈلاتے رہتے ہیں۔ ان کے افسانے ''خستہ خانم'' سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''تو اب کراچی... کہتے ہیں پرانے وقتوں میں ایک شاہزادہ دنیا زمانے کا سفر کرتا جنگلوں صحرائوں میں پھرتا پھراتا ایک شہر میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ پورا شہر ماتمی لباس میں ملبوس، چہرے اداس، بشرے ملول، ایک نوخیز کنواری کو بنائے سنوارے دلہن بنائے شہر پناہ سے باہر لیے جاتا ہے۔
>
> سبب دریافت کیا تو جواب ملا۔

یہ بھینٹ ہے...بالائی ناگہانی کی اس اژدھے کی جو ہر ماہ کی چودھویں شب آتا ہے۔
کم از کم شہر کے لوگوں کو اتنا تو پتہ ہے کہ یہ بھینٹ کس کی ہے؟اور وہ بھینٹ کس تاریخ اور کس وقت آتی ہے اور کس کو لینے آتی ہے۔
مگر ہمیں اپنے شہر میں کچھ بھی تو پتہ نہیں
نہ نام کا
نہ دن کا
نہ وقت کا
نہ جگہ۔" (۱۰)

ہمارے عقائد، مذہب اور تہذیب و ثقافت کے دائرے کہیں یک جا نظر آتے ہیں۔ پاکستانی افسانہ نگاروں میں عقائد و ثقافت کی تصاویر جابجا ملتی ہیں۔ الطاف فاطمہ کے ایک افسانے "خیال بیابانِ نو"میں بتایا گیا ہے:

"اور یاں قیصر پہلی تنخواہ ملے تو ہر بڑے پیر صاحب کی نذر ضرور دلوائیو پھر انہوں نے قیصر کی ماں سے تاکید کر دی تھی حمیدن! دیکھ میں نے کونڈوں پر تیری طرف سے منت اٹھالی تھی قیصر کی آمدن سے اب کی کونڈوں پر کھیر کے کونڈے بھرنا۔"(۱۱)

دوغلی اقدار کی اندھی تقلید، ملمع کاری اور بے مقصد زندگی آج کل قابل فخر بنتی جارہی ہے۔ اچھے اور برے کی تمیز کیے بغیر مغرب کی اندھی تقلید نے بچوں کی پہلی درس گاہ کو ہی بدل کر رکھ دیا ہے۔ ان کے افسانے بازگشت میں اسی طرف اشارہ ہے۔

"عبیدہ آپا کی بیٹی سات سال ولایت میں رہ کر آئی ہے۔بس تابندہ کو اسی کی تقلید کرنا چاہیے۔ چٹ اس کی بھلی چنگی چوٹی کٹوادی۔ غرارہ تہہ کر کے رکھ دیا اور وہ گردن بڑھا بڑھا کر بڑے فخر سے کہتی۔ ہماری صاحب زادی اردو میں فیل ہو گئی ہے۔اب انہوں نے تابندہ کو بڑی سنجیدگی سے تلقین شروع کر دی۔ دیکھو تابندہ لڑکوں سے ملو اور ان میں سے کسی کو چن لو...تم بس سٹائل پیدا کرو سٹائل۔" (۱۲)

الطاف فاطمہ کے افسانوں میں عہدِ جدید کے مثبت اور منفی پہلو، اخلاقی اقداروں کا انہدام، منفی روایات سے بے زاری، روحانیت کا فقدان، فرد کی داخلی تنہائی، ماضی اور حال کا تقابل نظر آتا ہے۔ ان کے ہاں اصلاح اور مقصدیت اہم پہلو ہے۔

الطاف فاطمہ کے افسانوں میں منفی کردار جابجا نظر آتے ہیں انہوں نے اپنے افسانوں میں نسائی، عصری حسیت اور بصیرت کا ثبوت دیا ہے۔ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عورت ہونے کے ناطے انہوں نے اپنے ہم جنس کے مسائل پر زیادہ توجہ دی ہے۔ عورت کے جائز اور شرعی حقوق کا مطالبہ کیا ہے۔ اور ساتھ ہی انسانی نفسیات کے مختلف پہلوئوں پر روشنی ڈالی ہے انسانی نفسیات بہت پیچیدہ ہے۔ لوگوں کا ردعمل "رویے" ماحول، حالات انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ انہیں نفسیات کو سمجھ کر الطاف فاطمہ نے کہانی میں سمویا ہے۔

پاکستانی معاشرے میں ابتداء ہی عورت اور مرد کے کاموں کا دائرہ الگ رکھا گیا تھا۔ اس حوالے سے سماجی رویوں میں دوہرے معیارات نظر آتے ہیں۔ مرد گھر کا سربراہ ہونے کی حیثیت سے مکمل اختیارات رکھتا ہے جب کہ عورت اس کے سامنے ایسی محکوم رعایا ہے جو حاکم کی پسند وناپسند میں ڈھلی ہوتی ہے مرد راہنما جب کہ عورت متولد پیروکار ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

> "عورت کو رشتوں کے نام پر جو غیر مرئی زنجیریں پہنائی جاتی ہیں وہ اتنی قدیم ہیں کہ اب ہمارے اجتماعی شعور میں جاگزیں ہو چکی ہیں۔ لہٰذا ہم عورت کا بحیثیت فرد تصور ہی نہیں کر سکتے۔" (۱۳)

عورت کی زندگی میں گود سے لے کر لحد تک کے تمام فیصلوں میں مرد دخیل ہے وہ سسرال اور میکہ دونوں جگہوں پر پابندیوں کا شکار ہے۔ کنواری ہو تو عزت وناموس کی حفاظت کا ڈر۔ اور شادی شدہ ہو تو صرف شریک حیات ہوتی ہے۔ رفیق حیات کے درجہ نہیں پائی۔ عورت ذہنی اور جسمانی تشدد سہتی ہے آج بھی پاکستانی عورت قرآن سے بیاہی جاتی ہے۔ کاری کی جاتی ہے، خریدی اور بیچی جاتی ہے۔ تحقیق اور جستجو کی لگن رکھنے کے باوجود بے بس ہوتی ہے۔ اس حوالے سے غزالہ ضیغم لکھتی ہیں:

> "خواتین ادیبائوں کو اپنے جینڈر (Gender) کی وجہ سے ہر وقت سینسر شپ کا شکار تو ہونا ہی پڑتا ہے ان کو Freedom of expression نہیں ہے تخلیقی

آزادی میسر نہیں ہے۔ Expousre اور سیر و تفریح تو دور کی بات اپنے گھر میں ایک کونا روئے... سونے یا پڑھنے لکھنے کے لیے بھی مشکل رہتا ہے۔" (۱۴)

الطاف فاطمہ نے اپنے افسانوں میں بچوں کی نفسیات پر اثر انداز ہونے والے مختلف عوامل کی نشاندہی بھی کی ہے۔ بچوں کی آنکھوں سے خواب چھین کر ان کی ذہانت اور معصومیت ختم کرنے میں بہت سے عناصر کار فرما ہوتے ہیں۔ پہلے زمانے میں مذہبی اور معلوماتی کتب پڑھنے کا رواج تھا والدین اپنے بچوں پر توجہ دیتے تھے آج کے دور میں والدین کے پاس وقت کم ہوتا ہے۔ معاش کی فکر اور دیگر ذمہ داریوں کی وجہ سے کہانیاں سنانے اور وقت گزارنے کے مواقع کم ہی ہوتے ہیں بچوں کی معصومیت کھو گئی ہے۔ اور ذہنی پراگندگی متشدد رویوں کو جنم دے رہی ہے بچوں کے ذہن میں کئی سوالات جنم لیتے ہیں۔ جن کا جواب کوئی بھی نہیں ہے۔

الطاف فاطمہ کے افسانوں میں براہ راست مخاطب ہونے کا انداز اور خود کلامی کی تکنیک نمایاں ہے افسانہ نگار جب اپنے بیانیہ یا کرداروں کے مکالمے کے ذریعے شخصیت کا کوئی پہلو، احساسات و خیالات یا فیصلہ پیش نہ کرے بلکہ واحد متکلم کو افسانوی صورت حال کے ہم نظر میں سوچتا ہوا دکھائی دے تو اسے خود کلامی کہتے ہیں اور الطاف فاطمہ نے اپنے افسانوں میں اس تکنیک کو برتا ہے۔

انیس ناگی کے بقول: "خود کلامی ایک خطاب ہے جس میں مخاطب خود اس کی اپنی ذات ہوتی ہے۔ وہ اپنی بات کو اپنے حوالے سے دوسروں کو سنا رہا ہوتا ہے۔" (۱۵)

اس حوالے سے کئی افسانوں میں یہ بھی رجحان دیکھنے میں آیا ہے۔ کہ یہ خود کلامی عورت کی طرف سے کی گئی ہے۔ آج کا انسان سائنسی و مادی ترقی کے باوجود روحانی اور اخلاقی مسائل میں گھر گیا ہے سیاسی و سماجی صورتِ حال اور مشکلات کے انبار نے محبتوں اور جذبوں میں انحطاط اور قلت کی وہ صورت پیدا کر دی ہے کہ اظہار باطن اور جذبات کی تطہیر کے لیے مہربان سامع میسر آنا مشکل ہے عورت کے لیے معاشرتی پابندیاں اور رکاوٹیں مرد کی نسبت کہیں زیادہ ہیں اس لیے وہ جذبات احساسات دوسروں تک پہنچا نہیں سکتی، وہ خود سے باتیں کرتی ہیں اور خود کلامی کا یہی انداز عورت کی طرف سے لکھے گئے افسانوں میں نمایاں ہے کشور ناہید اس ضمن میں لکھتی ہیں:

"ساری خواتین افسانہ نگاروں میں Monologue کی فضا جاری رہتی ہے۔ کہانی میں کہیں بھی Dialogue کی نوبت نہیں آتی۔ کہ زندگی میں بھی اصل منظر

یہی ہے ماں، باپ، بہن، بھائی، میاں، بیوی ... کسی کے درمیان ڈائیلاگ
نہیں۔"(۱۶)

اس تکنیک میں دراصل مصنف کی ذات شامل نہیں ہوتی بلکہ کرداروں کی خصوصیات یا ذہنی حالت پر خود کلامی کے ذریعے پردہ اٹھایا جاتا ہے اس طرح افسانہ نویس دنیا کے معاملات کردار کے سپرد کر دیتا ہے۔

ان تمام خصائص اور نقائص کے باوصف الطاف فاطمہ نے اردو افسانے کے منظر نامے کی تشکیل اور اس کی روایت کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کا مشاہدہ اور تجربہ ان کو باقی افسانہ نگاروں سے ممتاز کرتا ہے۔ انہوں نے زندگی کی صداقتوں، اپنے تخیل، فکر، مشاہدہ اور تجربے کو افسان کے قالب میں بڑے موثر طریقے سے ڈھالا ہے۔

**حواشی:**

۱۔ وقار عظیم، سید، مقدمہ، وہ جسے چاہا گیا (کراچی: شہر زاد، طبع دوم، ۲۰۰۴ء) ص ۱۲

۲۔ الطاف فاطمہ، "ننگی مرغیاں"، مشمولہ جب دیواریں گریہ کرتی ہیں، (کراچی: شہر زاد، ۲۰۰۳ء) ص ۳۱

۳۔ ایضاً، "مشتِ غبار"، ایضاً، ص ۹۷

۴۔ عالم خان، محمد، ڈاکٹر، اردو افسانے میں رومانی رجحانات (لاہور: علم و عرفان پبلیشرز، سنہ ندارد) ص ۵۰۸

۵۔ الطاف فاطمہ، کنڈ کٹر، مشمولہ، تارِ عنکبوت، (لاہور: فیروز سنز ۱۹۹۰ء) ص ۵۳

۶۔ انوار احمد، ڈاکٹر، الطاف فاطمہ، "اپنی ہی اٹھائی دیواروں کا گریہ" مشمولہ "اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ"، ص ۱۶۵

۷۔ الطاف فاطمہ، "کہیں یہ پروائی تو نہیں"، مشمولہ، وہ جسے چاہا گیا (کراچی: شہر زاد طبع دوم، ۲۰۰۴ء) ص ۴۰

۸۔ الطاف فاطمہ، "پرانا حریف" مشمولہ وہ جسے چاہا گیا، ص ۸۲

۹۔ الطاف فاطمہ، ''گواہی''مشمولہ، وہ جسے چاہا گیا، ص۱۴۵۔۱۴۶

۱۰۔ الطاف فاطمہ، ''خستہ خام'' مشمولہ، تارِ عنکبوت (لاہور: فیروز سنز، ۱۹۹۰ء) ص۲۹-۲۲۸

۱۱۔ الطاف فاطمہ، ''خیال بیابان نورد'' مشمولہ، تار عنکبوت، ص۳۶

۱۲۔ الطاف فاطمہ۔ ''بازگشت''، مشمولہ وہ جسے چاہا گیا، ص۵۹

۱۳۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، پاکستانی شاعرات، تخلیقی خدوخال، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء) ص۵۱۔۵۰

۱۴۔ غزالہ ضیغم، ''مرد اساس معاشرے میں خواتین ادیباؤں کے مسائل'' مشمولہ ''بیسویں صدی میں خواتین اردو ادب''، (مرتب) عشق اللہ، (دہلی: موڈرن پبلی کیشنز ہائوس، ۲۰۰۲ء) ص۱۵۲

۱۵۔ انیس ناگی، ''نئے افسانے کی تنقید'' مشمولہ، نئے افسانے کی کہانی (لاہور: جمالیات، ۲۰۰۸ء) ص۳۲

۱۶۔ کشور ناہید (مرتب) خواتین افسانہ نگار، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۴ء) ص۸